Quest Journals
Journal of Research in Humanities and Social Science
Volume 10 ~ Issue 6 (June 2022) pp: 82-84
ISSN(Online):2321-9467
www.questjournals.org

Research Paper

Use of Hindi Arooz in Urdu Poetry

Dr MAHBOOB MOHD
D.I.F.A (Arabic); M A; M Phil; Ph. D (Urdu)
D. K. Government Degree college for women (A),
Nellore.
Andhra Pradesh, Pin: 524003

نام کتاب : اُردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال

مصنّف : پروفیسر مقبول فاروقی

سابق صدر شعبۂ اُردو، آندھرا یونیورسٹی، وشاکھاپٹنم۔

مبصّر : ڈاکٹر محمد محبوب

اُردو لکچرر، ڈی۔ کے۔ ڈبلیو۔ گورنمنٹ ڈگری کالج، نیلور۔

....

عَروض ایک مخصوص علمی اور تکنیکی نوعیت کا علم ہے جس کا تعلّق شاعری کے اوزان اور اُس کی بحروں سے ہوتا ہے۔ یہ اوزان اور بحریں شاعری کے لیے مختلف سانچے فراہم کرتے ہیں۔ شعر جب اِن سانچوں کے مطابق ڈھلتے ہیں تو اُن میں موزونیت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی کلامِ موزوں کو شعر کہا جاتا ہے۔ اُردو شاعری کا بیشتر حصہ تو عربی عروض کے مطابق ہے جو فارسی سے ہوکر اُردو میں آیا ہے لیکن مصنّف نے اُردو شاعری میں ہندی اوزان و بحور کے استعمال پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''اُردو شاعری میں ہندی عروض کا استعمال'' اُردو شاعری کے مطالعے کے سلسلے میں ایک نیا زاویہ پیش کرتی ہے جس کی طرف عام طور پر نظر نہیں جاتی۔ یہ ایک غیر معمولی قسم کا تحقیقی کام ہے جس کے لیے ڈاکٹر صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ موصوف نے نہایت دقتِ نظری سے کی گئی اپنی تحقیق کا جو حاصل ہمارے سامنے پیش کیا ہے اُس سے اُردو شاعری کے عروضی مطالعے کی ایک نئی جہت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تصنیف میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے کہ اُردو شاعری میں عربی اوزان و بحور کے ساتھ ساتھ ہندی کے اوزان و بحور کا بھی استعمال ہوتا آیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندی اوزان کا استعمال اُردو شاعری کے آغاز ہی سے نظر آتا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں شاعری اور عروض کے باہمی رشتے اور اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مصنّف نے ہندی عروض کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہندی میں ''بحر'' کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ ہے ''چھند''۔ اس طرح ہندی میں علم العروض کو ''چھند شاستر'' کہا جاتا ہے اور شاعری میں اس کی اہمیت ویسی ہی ہے جیسی اُردو میں علم العروض کی۔ اس باب میں ہندی بحروں کی دو قسموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک قسم ماترک چھندوں کی ہے اور دوسری ورنک چھندوں کی۔ پروفیسر فاروقی صاحب نے اِن دو قسموں کے چھندوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے درمیان موجود ترکیبی فرق کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ماترک چھندوں کی بنیاد، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، چھوٹی چھوٹی ماتراؤں پر ہے۔ یہ ماترائیں دو قسم کی ہوتی ہیں اور اُن کی عددی قیمت بھی ہوتی ہے۔ جیسے اَ ایک چھوٹی ماترا ہے۔ اس کو لگھو کہتے ہیں اور اس کی عددی قیمت

ایک ہے۔ اُسی طرح آ ایک بڑی ماترا ہے جسے گرو کہتے ہیں اور اُس کی عددی قیمت دو ہے۔ اس طرح دو لگھو ماترائیں ایک گرو ماترا کے برابر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم، تم، اب، تک، جیسے الفاظ دو، دو چھوٹی ماتراؤں سے مل کر بنے ہیں اور یہ الفاظ ایک ایک گرو ماترا کے برابر تصور کیے جائیں گے۔ ہندی کے ماترک چھند انہی لگھو اور گرو ماتراؤں کے میل اور اُن کی ایک خاص ترتیب سے بنتے ہیں۔ اگر بحر کچھ طویل ہو، یعنی اس میں بیس بائیس سے زیادہ ماترائیں ہوں تو پھر اس بحر کے درمیان کسی خاص مقام پر ایک ذرا سا وقفہ بھی دیا جاتا ہے۔ اس وقفے کو ''یتی'' یا ''وِشرام'' کہا جاتا ہے۔ یوں تو چھند شاستر کے مطابق ایک ایک ماترا کے فرق سے بحر بدل جاتی ہے لیکن اگر کچھ مصرعوں میں ماتراؤں کی تعداد مساوی ہو لیکن اُن کے آخر میں لگھو اور گرو ماتراؤں کی ترتیب اور مصرعوں میں وشرام کا مقام بدل جائے تب بھی چھند بدل جاتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں۔

ماترک چھندوں کے بعد ہندی بحروں کی ایک اور قسم، وَرنِک چھندوں کا بھی تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ماترک چھندوں اور ورنک چھندوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے مصنّف نے بتایا ہے کہ ورنک چھندوں کا استعمال زیادہ تر سنسکرت شاعری ہی میں ہوا ہے۔ ہندی کے شاعروں نے ڈھیلے ڈھالے ماترک چھندوں پر ہی انحصار کیا ہے جب کہ بعض ورنک چھندوں میں اُردو کی سالم بحروں کی سی کساوٹ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ہندی کے شاعروں سے ماترک چھندوں کی پابندی بھی ٹھیک سے نہیں ہو سکی۔ اُن کی فنی کمزوری ہلکی پھلکی عروضی پابندیوں کی تاب بھی نہیں لا سکی اور وہ کسی بھی طرح کی عروضی پابندی سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ چناں چہ ہندی کے مہاکوی نرآلا جی نے 'مکت چھند' کو متعارف کراتے ہوئے ہندی شاعروں کا یہ ارمان بھی پورا کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی شاعری رہی سہی عروضی پابندیوں سے آزاد ہو کر بالکل بے بحر ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے خود مکت چھند کے بانی، نرآلا جی کی ایک نظم مثال کے طور پر پیش کر کے یہ واضح کر دیا ہے شاعری کے لیے عروض کی پابندی کیوں ضروری ہے اور اِن پابندیوں سے آزاد ہو جانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا باب بھی خاصا دلچسپ ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے اُردو اور ہندی عروض کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس میں بحروں کی ساخت اور اُن میں لائی جانے والی تبدیلیوں کے طریقہ کار سے بحث کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ دلچسپ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ بعض ورنک اور ماترک چھند اُردو کی بعض بحروں سے غیر معمولی مماثلت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ورنک چھند 'بھجنگ پریات' اُردو کی بحر متقارب سالم سے پوری مماثلت رکھتا ہے۔ اس کی ایک مثال سبھدرا کماری چوہان کے اس شعر سے دی گئی ہے۔

بہن آج پھولی سماتی نہ من میں　　　لتا آج پھولی سماتی نہ بن میں

سنسکرت کے ایک قدیم چھند ''جگتی'' کا وزن بھی یہی ہے۔ اس چھند میں گوسوامی تلسی داس کے کچھ سنسکرت اشعار نمونے کے

طور پر دیے گئے ہیں۔اسی طرح ''پنچ چامر''،''ملّکا''،''چمپک مالا''،''بھجنگی'' جیسے ورنک چھند اور ''گیتی کا''، ''ودھاتا''،''سمیرو'' اور ''پی یوش ورشی'' جیسے ماترک چھند اُردو کی بعض بحروں سے بڑی حیرت انگیز مماثلت رکھتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اُردو شاعروں کے پاس تو یہ اوزان پہلے ہی سے موجود تھے۔اس لیے اُن کو اپنانے کی ضرورت نہیں تھی۔اُردو شعراء نے ہندی کی ایسی بحروں کو اپنایا ہے،جن میں روانی اور موسیقیت ہے۔عام طور پر اُردو کے شاعروں نے جن ہندی بحروں کا استعمال کیا ہے، اُن میں چوپائی،دوہا،وشنو پد،سرسی،سار،تاٹنک،سمان سویّا وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔خاص طور پر دوہا چھند اور سرسی چھند اپنے مخصوص آہنگ کی وجہ سے اُردو شاعروں کو بہت مرغوب رہے ہیں۔پروفیسر مقبول فاروقی صاحب نے اُردو شاعری میں عہدِ قدیم سے لے کر عہدِ حاضر تک دوہا اور سرسی کے پہلو بہ پہلو دوسرے ہندی اوزان کی نشان دہی کی ہے اور ہر دور کی شاعری سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

فاروقی صاحب نے دوہا چھند اور سرسی چھند کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اُردو کے اکثر شاعر سرسی چھند کو دوہا سمجھتے اور لکھتے آئے ہیں۔حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ قدیم دور کے شعراء میں بوعلی قلندر پانی پتی،عبدالقدوس گنگوہی، مولانا شیخ عبداللہ انصاری،شیخ محبوب عالم،سید محمد مہدی،عبداللہ امین اور عہدِ وسطیٰ کے شعراء میں مسکین،محبؔ،سودا،انشاء، جرأت،نظیر اور امانت جیسے شعراء جب دوہے کہتے ہیں تو دوہے کی بحر کا پورا خیال رکھتے ہیں لیکن عہدِ جدید کے کئی شاعر ایسے ہیں جنہوں نے سرسی چھند میں شعر کہے اور اُس کو دوہے کا نام دیا جب کہ دونوں میں فرق ہے۔دوہے کے دونوں مصرعوں میں چوبیس ماترائیں ہوتی ہیں اور ہر مصرعے میں تیرہ ماتراؤں کے بعد وشرام ہوتا ہے اور اس کے بعد باقی گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔سرسی چھند میں ستائیس ماترائیں ہوتی ہیں اور اس کے ہر مصرعے میں سولہ ماتراؤں کے بعد وشرام آتا ہے۔دوہے اور سرسی میں جو چیز مشترک ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے مصرعے ایک گرو اور ایک لگھو ماترا پر ختم ہوتے ہیں۔جمیل الدین عالیؔ،شاہینؔ اور کچھ دوسرے شعراء نے جو مطلعے کہے ہیں وہ دوہے کے وزن کے مطابق نہیں ہیں بلکہ سرسی چھند میں ہیں۔

عروض ایک ایسا کوچہ ہے جس میں بہت کم لوگ قدم رکھتے ہیں،اس لیے کہ یہ ایک خشک اور تکنیکی موضوع ہے۔ پروفیسر مقبول فاروقی صاحب نے اُردو شاعری میں ہندی عروض کے استعمال کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔یہ کتاب نہ صرف شاعری کے اس فنی پہلو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے بلکہ ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک حوالے کی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔اسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی نے بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے۔تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب مصنف کے پتے (# 11-5-464/202, Red Hills, Hyderabad-500004) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔